سلیم کی کہانی

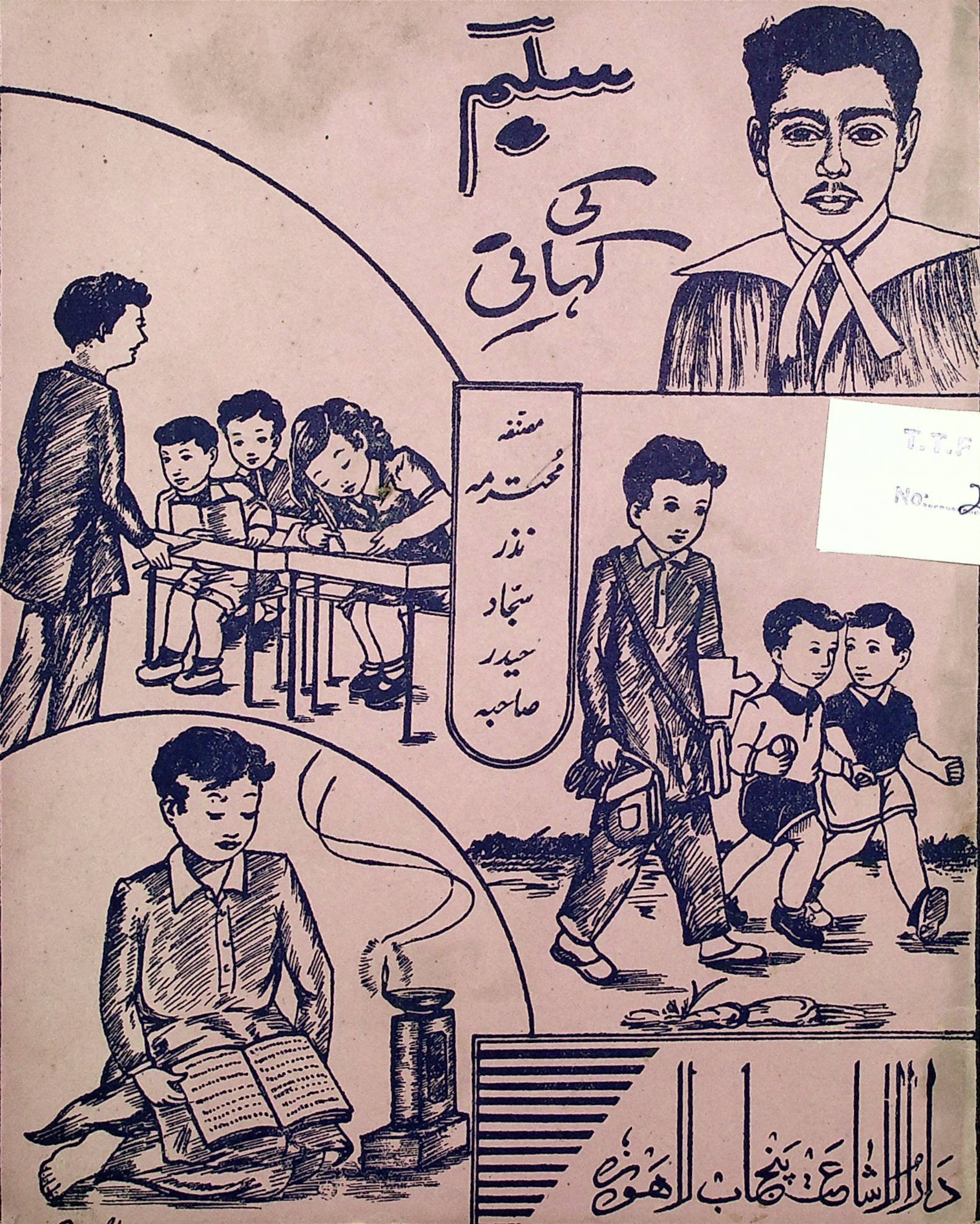

مصنفہ
محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ

دارالاشاعت پنجاب لاہور

T.T.F
No. 2

جملہ حقوق محفوظ

سلیم کی کہانی

یعنی

ایک بُلند ہمّت غریب بچّے کا قصّہ

جس کو

مُحترمہ نذر سجّاد حیدر صاحبہ

نے بچّوں کے لئے بُہت آسان عبارت میں لکھا

T.T.F LIBRARY
No: 2230

باهتمام تاج وجاہ

دارُالاشاعت پنجاب لاہور

قیمت بارہ آنے

ساتویں بار

Taj Tahir Foundation

ننھّے سلیم کی کہانی

آدھی رات کا وقت ہے۔ بارش ابھی برس کر تھمی ہے۔ ایک معمولی سے کچّے مکان کے برآمدے میں چراغ جل رہا ہے۔ صحن میں اس کی ہلکی ہلکی سی روشنی پڑ رہی ہے۔ ایک غریب عورت ٹوٹے سے پلنگ پر اپنے بچّے کو لئے لیٹی ہے۔ برساتی کیڑوں مینڈکوں وغیرہ نے شور مچا رکھا ہے۔ کبھی کبھی سانپ اور چھچھوندر کی آواز بھی آجاتی ہے۔ جس وقت یہ سب مل کر بولتے ہیں۔ تو ننھّا بچہ ڈر سے اچھل کر ماں سے لپٹ جاتا ہے۔ ماں بھی گھبرا کر اُسے اپنے کلیجے سے چمٹا لیتی ہے اسی حالت میں رات کے باقی گھنٹے گزر گئے۔ اور صبح ہوگئی۔ بچّے کی آنکھ لگ گئی تھی۔ ماں نے اُٹھ کر نماز پڑھی اور پھر گیہوں کی مٹکی دیکھنے لگی۔ کہ اناج ہو تو ننھّے کے سوتے میں پیس لوں۔ مگر دیکھا

Taj Tahir Foundation

کہ مٹکی خالی ہے۔ اب یہ فکر ہوئی کہ ننھا اُٹھ کر روٹی مانگے گا۔ تو کہاں سے دوں گی۔ پھر سوچا کہ چکّی میں کچھ آٹا پڑا ہوا مل گیا تو ایک روٹی پک جائے گی + چکّی کو جھاڑا۔ اس میں سے پاؤ بھر آٹا نکل آیا۔ خوش ہو کر جلدی جلدی گوندھا۔ آگ جلانے لگی۔ تو لکڑیاں نہ تھیں۔ ہمسائی سے دو چار اُپلے لاکر آگ جلائی۔ دیکھا تو لڑکا اُٹھا بیٹھا تھا۔ سب کچھ وہیں چھوڑ کر بچّے کا منہ دھلانے آگئی۔ ننھّے سلیم کی عمر اُس وقت پانچ سال کی تھی۔ اس نے ماں سے کہا۔ "امّاں تم کام چھوڑ کر کیوں آگئیں۔ تم کام کرتیں میں خود منہ دھو لیتا"۔

ماں "سلیم تم پانی نہ انڈیل سکتے۔ مٹکا گر کر ٹوٹ جاتا۔ اُدھر مینہ آتا معلوم ہوتا ہے۔ پلنگ بچھونا بھی اُٹھانا تھا۔ اس لئے آگئی + تم گھبراؤ نہیں۔ ابھی روٹی پکا دوں گی"۔

سلیم "نہیں امّاں۔ میں مٹکے میں سے پانی نہ اُنڈیلتا۔ کلھیا سے نکال لیتا۔ بچھونا بھی میں آپ ہی اندر رکھوں گا۔ اور پلنگ بھی گھسیٹ کر لے جاؤں گا۔ تم اپنا کام کرو۔ اپنا کام ہم آپ کریں گے"۔

ماں۔ بہت خوش ہو کر بولی۔ "میاں تم سے یہ بڑے بڑے کام نہیں ہو سکیں گے"۔

سلیم۔ "اچھا تم چولھے پاس تو جا بیٹھو۔ دیکھو مجھ سے ہو سکتا ہے۔ یا نہیں"۔

سلیم کی ماں بچّے کے کہنے سے چلی گئی۔ اور آگ جلانے لگی + وہ دیکھتی جاتی تھی۔ کہ دیکھیں سلیم کام کس طرح کرتا ہے + ننھّے سلیم نے سب سے پہلے دری میں تکیہ لپیٹا۔ اور اندر کے پلنگ پر رکھ آیا۔ پھر پلنگ کو سرہانے کی طرف سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا چھپّر میں لے گیا۔ پھر اپنی چھوٹی لُٹیا میں مٹکے سے پانی نکالا اور مُنہ دھویا۔

اتنے میں ماں نے روٹی پکا لی تھی۔ سلیم چولھے پاس آبیٹھا + ماں نے بہت خوش ہو کر گود میں بٹھا لیا۔ اور کہا "پیارے سلیم۔ تم تو بڑے بہادر نکلے۔ تم نے سب کام آپ ہی کر لئے۔ مجھے ڈر تھا۔ کہ پانی نکالنے میں تم مٹکا گرا کے توڑ دو گے"۔

سلیم۔ امّاں مٹکے سے پانی ہم نے اُنڈیلا ہی نہیں۔ کلھیا سے بھر بھر کر نکال لیا۔ اور امّاں جان میں نے پہلے بچھونا اُٹھایا۔ جب پلنگ ہلکا ہو گیا۔ تو اُسے کھینچتے کھینچتے چھپّر میں لے گیا۔ امّاں جان میں نے بہت زور لگایا۔

سلیم جب روٹی کھا چکا۔ تو اُس نے امّاں سے کہا۔ "امّاں جان سب بچّے پڑھتے ہیں ہمیں بھی پڑھنے بٹھا دو + ہم اسکول جایا کریں گے۔ ہمارا جی پڑھنے کو چاہتا ہے"۔

ماں نے یہ سُن کر ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

Taj Tahir Foundation

سلیم پڑھنے لگا

سلیم کے گھر کے ساتھ ہی ایک بڑا مکان تھا۔ اس میں ایک داروغہ رہتے تھے۔ ان کی بیوی کو سلیم کی ماں کا بہت ہی خیال تھا۔ اپنے بچّوں کے پرانے کپڑے سلیم کے لئے دے دیتی تھیں۔ وقت بے وقت روٹی ٹکڑے سے بھی ان کی مدد کرتی تھیں ۔

اُن کے دو بچّے تھے۔ ایک کا نام تھا محسن۔ دوسرے کا اکرام دونوں مدرسے جاتے تھے۔ انھیں اپنے بستے اُٹھانے بہت مُشکل ہوتے۔ جس دن اُن کی ماما شبراتن کام دھندے سے خالی ہوتی۔ تو اُن کے بستے اُٹھا کر مدرسے تک چھوڑ آتی۔ جس دن وہ کام میں لگی ہوتی۔ تو اُنہیں خود بستے اُٹھانے پڑتے۔ مدرسے پہنچ کر یہ اُنہیں بہت ہی بُرا لگتا۔ کہ امیروں کے بچّوں کے ساتھ اُن کے نوکر بستے اُٹھائے ہوتے ہیں۔ لڑکوں کی امّاں عنایت بیگم اس فکر میں تھیں۔ کہ بستے اُٹھانے کو کوئی چھوٹا سا لڑکا مل جائے۔ تو روپیہ آٹھ آنہ ماہوار پر نوکر رکھ لُوں ۔

جس دن سلیم نے پڑھنے کا شوق ظاہر کیا۔ اُس دن روٹی کھانے کے بعد سلیم کی ماں اُسے ساتھ لے کر اپنی ہمسائی عنایت بیگم کے گھر گئی۔ وہ اُس وقت محسن کی قمیص سی رہی تھیں۔ ان کے جاتے

ہی اُٹھا کر رکھ دی۔ اور اُن سے باتیں کرنے لگیں ۔

عنایت۔ کیوں بُوا۔ آج تم کچھ غمگین سی نظر آ رہی ہو؟

سلیم کی ماں۔ نہیں کچھ نہیں ۔

عنایت۔ کچھ بات تو ضرور ہے۔ سلیم تُم بتاؤ۔ تمہاری امّاں چُپ چُپ کیُوں ہیں؟ کیا تم نے کوئی چیز مانگی تھی۔ جو وہ نہیں دے سکیں؟

سلیم۔ نہیں میں نے تو کچھ نہیں مانگا۔ میں کوئی ایسی چیز مانگتا ہی نہیں جو امّاں کے پاس نہ ہو ۔

عنایت۔ ہاں بُوا۔ میں آج تم سے ایک بات کہتی۔ پر تم آپ ہی فکر مند ہو ۔

سلیم کی ماں خوشی سے فرمائیے۔ جو کام آپ کہیں۔ میں کرنے کو حاضر ہوں ۔

عنایت۔ بات یہ ہے کہ میرے بچّے مدرسے جاتے ہیں۔ تو اُنہیں تختی کتابیں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ شبراتن کو کسی وقت فرصت ہوتی ہے۔ کسی وقت نہیں ہوتی۔ میں اس فکر میں ہُوں۔ کہ ایک روپیہ مہینے پر کوئی لڑکا مل جائے۔ جو اُن کی تختی کتابیں اُٹھا کر مدرسے لے جایا کرے۔ تم اپنے محلّے میں کوئی لڑکا تلاش کرو ۔

سلیم کی ماں۔ اچھّا میں پُوچھوں گی۔ شاید میری پڑوسن رحمت اپنے لڑکے کو بھیج دے۔ ایک روپیہ کے لالچ میں وہ یہاں آجائے گا۔

Taj Tahir Foundation

سلیم۔ آپ کہیں تو میں محسن اکرام کے بستے اُٹھا کر مدرسے پہنچا آیا کروں گا ۔

عنایت۔ میاں سلیم میں اس بات سے بہت خوش ہوئی۔ کہ تم اپنے بھائیوں کے ساتھ جانے کو تیار ہو + خدا تمہاری ہمت میں برکت دے + میں تو اس خیال سے کہتے ڈرتی تھی۔ کہ شاید تمہاری امّاں کو بُرا لگے + تم اپنی امّاں سے پُوچھ لو۔ اگر یہ اجازت دیں۔ تو تم کل صُبح سے آجایا کرو۔ میں کسی غیر لڑکے کو پانچ روپے مہینہ دیتی۔ تمہیں دس روپے دوں گی ۔

سلیم کی ماں۔ اگر سلیم کی مرضی ہے۔ تو وہ خوشی سے آجایا کرے۔ غریب کا بچّہ ہے۔ اب سے محنت کرنے کی عادت پڑے گی۔ تو آگے کو کام کرے گا۔ اور یہ کام بھی اُس کی بساط کے موافق ہے۔ گھر سے دو کتابیں دو تختیاں اُٹھائیں مدرسے میں جا رکھیں ۔

سلیم۔ پر میں آپ سے دس روپے کبھی نہیں لینے کا + گھر میں تو کھیلتا ہی رہتا ہوں۔ مدرسے ہو آیا کروں گا۔ تو کیا ہو گا؟

سلیم کی ماں۔ آپ ہی نے سلیم کو پالا ہے۔ اور آگے کو بھی آپ ہی کا سہارا ہے۔ سلیم کے لئے تنخواہ لینا شرم کی بات ہے ۔

عنایت۔ میں کوئی تنخواہ کر کے تھوڑا ہی دیتی ہوں۔ بچّہ ہے۔ اس کے خرچ کے لئے دُوں گی ۔

سلیم۔ میں دس روپے لے کے کیا کروں گا۔ روٹی مجھے امّاں کھلا دیتی ہیں۔ امّاں کہتی ہیں۔ بازار سے پیسوں کی چیز لے کے کھانا بُری بات ہے۔ میں کبھی کوئی چیز نہیں لیتا + سب لڑکے پڑھنے جاتے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے۔ کہ میں بھی پڑھا کروں + مجھے دس روپے نہ دیں۔ ایک تختی اور کتاب لے دیں۔ محسن اکرام کا بستہ لے کے مدرسے جاؤں گا۔ وہیں میں بھی پڑھ لیا کروں گا ۔

عنایت۔ بہت اچھا میں آج ہی سب کچھ منگا دوں گی۔ کل سے تم بھی مدرسے جانے لگو ۔

سلیم کی ماں۔ میرے سلیم کو پڑھنے کا بہت ہی شوق ہو گیا ہے + بچّوں کو دیکھ کر دو تین دن سے میرے پیچھے پڑ رہا ہے۔ کہ مجھے بھی پڑھاؤ آج بھی یہی ذکر تھا۔ کہ میری بسم اللہ کراؤ + میں اسی فکر میں تھی۔ کہ کیسے کراؤں۔ آج اس کے ابّا زندہ ہوتے۔ تو کس خوشی سے بسم اللہ کراتے۔ خدا کی شان ہے۔ بچّے کو پڑھنے کا شوق اور میں ٹکڑے ٹکڑے کو محتاج اسے کسی طرح کا جواب نہ دے سکی۔ تو خیال ہٹانے کو آپ کی طرف چلی آئی + بس یہی بہت مہربانی ہو گی۔ کہ محسن اکرام کے صدقے میں اسے پڑھنے بٹھا دیں۔ تمام دن انہیں کی خدمت میں رہا کرے گا ۔

سلیم کی ماں کی باتیں سُن کر رحم دل بیگم آبدیدہ ہو گئیں۔ اور کہا "تمہاری ان باتوں سے میرا دِل ہل گیا۔ خدا اس بچّے کی عمر میں برکت دے۔

Taj Tahir Foundation

میں بہت خوشی سے کل ہی اسے داخل کرادوں گی + خدمت گار نہیں۔ تمہارا بچہ محسن اکرام کے بھائیوں کی طرح رہے گا"۔

دوسرے دن بیگم صاحبہ نے غریب سلیم کی بسم اللہ کرادی + بتاشے منگا کر محلّے کے بچوں میں تقسیم کرادیے۔ اور سلیم کو مدرسے میں داخل کردیا۔ اسی روز سے سلیم محسن اکرام کے ساتھ مدرسے جانے لگا۔

سلیم بہت ہی اچھا اور محنتی لڑکا تھا۔ اُس نے ایسا دل لگا کر پڑھنا اور اُن کا کام کرنا شروع کیا۔ کہ داروغہ صاحب اور ان کی بیوی اُس پر بہت مہربان ہوگئے۔ اور اپنا تیسرا بیٹا سمجھنے لگے + بچوں کے بستے اُٹھا کر مدرسے جانا تو اُس کے سپرد تھا ہی۔ اس نے گھر کے دو ایک اور چھوٹے چھوٹے کام اپنے ذمّے لے لئے + جُوں جُوں وہ دیکھتا گیا۔ کہ مجھے کام کرتا دیکھ کر عنایت بیگم بہت خوش ہوتی ہیں۔ اور بھی زیادہ شوق سے دوڑ دوڑ کر کام کرنے لگا۔

جو جو کام یہ کیا کرتا تھا۔ وہ یہ تھے:۔

صبح جب لڑکے مدرسے جاتے وقت ناشتہ مانگتے۔ تو یہ باورچی خانے سے لاکر اُن کے سامنے رکھ دیتا + جب عنایت بیگم باہر آکر بیٹھتیں۔ تو چھوٹا سا پاندان اور اُگالدان اُن کے پاس لا رکھتا + سلائی بقچی۔ قلمدان۔ شیشہ۔ کنگھی وغیرہ کی جس وقت اُنہیں ضرورت ہوتی۔

چاہے وہ شبراتن ہی سے کہتیں۔ تو یہ جلدی سے خود اُٹھا لاتا۔ لڑکے مدرسے چلتے وقت اپنی امّاں سے کپڑے مانگتے۔ تو سلیم ہی اندر سے کوٹ۔ ٹوپی لادیتا۔ دارغہ صاحب کے دوست ملنے آتے۔ تو اُن کے لئے گلاس پانی۔ پان۔ چلم باہر لے جاتا۔

چاہے یہ کام کتنے ہی چھوٹے چھوٹے تھے۔ مگر عنایت بیگم کو سلیم سے بہت ہی مدد ملتی تھی۔ کیونکہ وہ انہیں کاموں سے بہت دِق ہُوا کرتی تھی۔ اس لئے کہ ایک تو بچے بہت ستاتے تھے۔ کہیں کوئی ناشتہ مانگتا۔ کہیں پانی مانگتا + دوسرے یہ بڑی مُشکل تھی۔ کہ جب داروغہ صاحب کے ملنے والے باہر آجاتے۔ تو انہیں حُقّے پان کی ضرورت ہوتی۔ اور ماما چولھے کے کام میں سے اُٹھتے ہوئے گھبراتی + غرض سلیم نے اپنے ننھّے ننھّے ہاتھوں سے اتنی مدد دی۔ کہ سب اُس کی بہت ہی قدر کرنے لگے + اس کے لئے ایسے اچھے اچھے کپڑے بنادیے۔ کہ جب یہ اُجلے کپڑے پہنے ہاتھ میں کتابیں اُٹھائے مدرسے جاتا۔ تو سب دیکھنے والے یہی سمجھتے۔ کہ کسی امیر کا بچہ ہے + جُوں جُوں اس کی عمر زیادہ ہوتی گئی۔ وہ ذرا بڑے بڑے کام سنبھالتا گیا۔ ساتھ ہی اپنی پڑھائی کا خیال رکھتا۔ اگر دن میں فُرصت نہ ملتی + تو رات کو بیٹھ کر پڑھا کرتا۔

اتنی کوشش اور محنت سے پڑھا۔ کہ ہر سال امتحان میں پاس ہوتا

Taj Tahir Foundation

گیا۔ آٹھویں سال میں تین جماعتیں پاس کر کے چوتھی میں داخل ہو گیا۔
ایک دن شام کا وقت تھا۔ سلیم مدرسے سے آکر تھوڑی دیر بعد اپنے گھر آیا۔ اس کی ماں کچھ اُداس سی بیٹھی تھی۔ اُس نے دو ایک باتیں کیں۔ لیکن ماں نے کچھ خوشی سے جواب نہ دیا۔

سلیم۔ امّاں جی تم آج کیسی چُپ بیٹھی ہو؟ میں نے کتنی باتیں کیں۔ تم جواب نہیں دیتیں؟

ماں۔ میاں نہیں چُپ تو نہیں ہوں۔

سلیم۔ نہیں امّاں کچھ بات تو ضرور ہے۔ مَیں حیران ہوں تم اب خوش کیوں نہیں رہتیں۔ میں پڑھتا تو ہوں ہی۔ اللہ نے کیا۔ تو بڑا ہوتے ہی نوکر ہو جاؤں گا۔ اب بھی تمہاری بہت سی فکر تو ہٹ گئی ہے۔ مجھے روٹی وہاں سے ملتی ہے۔ کپڑا وہی بنا دیتی ہیں۔ پڑھائی کا سب خرچ اُنہیں کے ذمّہ ہے۔ تمہیں تو صرف اپنی روٹی کی فکر رہ گئی ہے۔

ماں۔ ہاں میاں خُدا کا شکر ہے۔ کہ اللہ نے تمہیں اس لائق کیا۔ جو میری اُمیّد بندھی۔ پر میں نے سُنا ہے۔ کہ داروغہ جی کی بدلی ہو جائے گی۔ پھر ہم غریبوں کی اتنی خبر گیری کون کرے گا؟ بس یہ فکر ہے۔

سلیم۔ نہیں امّاں جان داروغہ جی ابھی نہیں جائیں گے۔ یہ خبر تو

تھی۔ مگر رات کو وہ کہہ رہے تھے۔ کہ جس جگہ ہم بدل کر جانے والے تھے۔ وہاں کوئی اَور داروغہ آ گئے۔

سلیم کی ماں۔ "بیٹا سچ؟ خدا کرے ایسا ہی ہو" یہ دونوں ماں بیٹے داروغہ کے گھر اسی وقت گئے۔ اور جب وہاں جا کر سُنا۔ کہ وہ ابھی دو سال کے لئے اَور یہیں رہیں گے۔ تو بہت خوش ہوئے۔ سلیم اسی طرح کوشش اور محنت سے پڑھتا رہا۔ اس دو سال میں اُس نے بہت لیاقت حاصل کر لی۔ اور جب اُس کی عُمر کا نواں سال ختم ہُوا۔ تو یہ پرائمری پاس کر چُکا تھا۔ لیکن افسوس انہیں دنوں داروغہ جی کے یہاں رہنے کی مُدّت ختم ہو چکی تھی۔ اب تو وہ جانے ہی لگے۔ سلیم اور اس کی ماں کو بہت ہی فکر اور غم تھا۔ کہ اب کیا ہو گا۔

عنایت بیگم نے بہت چاہا۔ کہ لڑکے کو ساتھ لے جائے۔ مگر وہ بہت ہی دُور جانے والے تھے۔ ماں کو اتنا حوصلہ نہ ہُوا۔ کہ چھوٹے سے لڑکے کو اپنے سے علیحدہ کرے۔ اور نہ سلیم ہی کو اپنی ماں کی جُدائی گوارا تھی۔

عنایت بیگم نے یہ بھی کہا۔ کہ دس روپے ماہوار تعلیم کے لئے بھیجتی رہوں گی۔ مگر سلیم کی ماں نے یہ منظور نہ کیا۔ اُس نے کہا۔ کہ جب ہم ان کا کچھ کام نہ کریں گے تو روپے لینا مناسب نہیں۔

Taj Tahir Foundation

اب سلیم چھٹی جماعت میں داخل تھا۔ اور مدرسے کے خرچ کے لئے کچھ پاس نہ تھا + داروغہ جی کو گئے آٹھ دن ہوئے ہوں گے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سلیم مدرسے میں تھا۔ اور اس کی ماں چرخہ کات رہی تھی۔ کہ پڑوس سے مارپیٹ اور بچّے کے رونے کی آواز آئی + اِن کی دیوار تلے آٹا دال بیچنے والا ایک ہندو بنیا رہتا تھا + اس کا ایک دس گیارہ سال کا لڑکا بہُت ہی شیطان تھا۔ اس وقت بھی کوئی شوخی کی ہوگی۔ ماں مار رہی تھی + سلیم کی ماں یہ سُنتے ہی بچّے کے چھُڑانے کو اپنی سہیلی پاربتی کے گھر گئی ؛

سلیم کی ماں۔ ہیں ہیں بہن کیوں بچّے کا خُون کِئے ڈالتی ہو؟

پاربتی۔ کیا کروں بہن اس نے مجھے بڑا حیران کیا ہے۔ دیکھتی ہو گیارہ برس کا سنڈا! نہ کام کا نہ کاج کا! دیکھو نرائن رکھّے تمہارا بھی بچّہ ہے۔ دِن بھر پڑھنے لکھنے سے کام ہے ؛

سلیم کی ماں۔ بہن بھلا میرے سلیم اور موہن کی کیا برابری؟ یہ بے چارا یتیم مُصیبت کا مارا۔ اُس کے اللہ رکھّے ماں باپ سلامت ہیں ؛

پاربتی۔ اے بہن ماں باپ ہُوا کریں۔ غریبوں کے بچّوں کو تو بچپن ہی سے محنتی ہونا چاہئے + کئی دفعہ مدرسے میں داخل کِیا۔ وہاں سے بھاگ آیا۔ دوکان پر بٹھایا۔ کہ سودا سلف تولنے میں باپ کا ہاتھ بٹائے گا۔ وہاں نہ بیٹھا۔ اور بیٹھا بھی ہے۔ تو کس کام

کا؟ حساب ذرا نہیں سیکھا۔ حِساب بنا ہم لوگوں کا گزارہ نہیں + یہی دیکھو۔ نرائن جیتا رکھّے تمُہارا بچّہ نو برس کا ہے۔ رات کیسا اچّھا حساب کر دیا + موہن کے ابّا کو حساب میں کئی روپے کی غلطی پڑتی تھی۔ چار گھنٹے مغز کھپائی کی۔ مگر درست نہ کر سکے۔ پھر سلیم کو بُلایا۔ اس نے ذرا سی دیر میں سب ٹھیک کر دیا + اُسی وقت اُنہوں نے اِس چنڈال سے کہا۔ کہ تو اپنے دوست سلیم سے حساب سیکھ لے۔ تو پھر دُوکان پر بیٹھا کر + رات تو اقرار کر لیا تھا۔ کہ کل سے سیکھنا شروع کر دوں گا۔ صُبح اٹھتے ہی پھر وہی گدھے سوار۔ مُجھ سے پتنگ کے لئے پیسہ مانگا۔ میرے پاس اس وقت تھا نہیں صندوقچی توڑ روپیہ نکال لیا + تم ہی بتاؤ۔ میں چنڈال کا کیا کروں؟

سلیم کی والدہ۔ خیر جانے دو۔ لاڈلے بچّے ایسے ہی ہُوا کرتے ہیں یہ حساب سیکھے۔ جتنا کچُھ آتا ہے + میرا سلیم بہت خوشی سے سکھا دے گا ؛

موہن۔ خالہ جی سلیم کس وقت مدرسے سے آئے گا؟ میں نے سلیٹ پنسل منگا رکھّی ہے۔ آج سے سوال نکالنے شروع کر دُوں گا + پہاڑے تو مجھُے یاد ہی ہیں ؛

پاربتی۔ ہاں بہن بہت مہربانی ہوگی۔ اس شریر کو کسی طرح قابُو کرو + تھوڑا سا حساب بھی سیکھ جائے۔ تو کسی لائق ہو۔ اسے تو کچھ بھی نہیں آتا۔

Taj Tahir Foundation

صرف پانچ کا پہاڑہ یاد ہے۔میں پیارے سلیم کے دُودھ پینے کے لئے پانچ روپے مہینہ دیا کروں گی ؂

سلیم کی ماں۔اس کی کیا ضرورت ہے۔ وُہ بھی تمہارا ہی بچّہ ہے ؂

غرض اسی دِن سے موہن لال نے سلیم سے حساب سیکھنا شروع کردیا۔اور پاربتی نے سلیم کے پانچ روپے ماہوار مقرر کر دئے۔ خدا سامان بنانے والا ہے۔سلیم کی تعلیم کا خرچ نکل ہی آیا ؂

ہمّت کا حامی اور غریبوں کا سامان بنانے والا خُدا ہے۔داروغہ جی کی تبدیلی ہو جانے سے سلیم کی ماں بہت حیران تھی۔کہ اب کیا ہوگا۔بچّے کے مدرسے کا خرچ تو الگ رہا۔روٹی کی بڑی مصیبت ہوگی۔ کیونکہ اُن سے بہت مدد ملتی تھی۔عنایت بیگم دونوں وقت سالن بھیج دیا کرتی تھیں۔اور کبھی کبھی آٹا دال لکڑی بھی دیتی رہتی تھیں۔ سلیم کے کپڑے بھی انہیں کے ذمّے تھے۔غرض سلیم کی ماں کو بہت فکر ہوگئی۔کہ اب کیا کروں گی ؂

محنت کرنے کو بھی کوئی وسیلہ چاہئے۔کھُلے مُنہ کس سے محنت مانگے ؟ کیا کرے ؟ عنایت بیگم کے کپڑے بھی سی دیا کرتی تھی۔ پوشیدہ طریق سے اُن کے گیہوں بھی پیس دیا کرتی تھی۔ اس طرح اس کا گزارہ ہوئے جاتا تھا+ پانچ برس ہُوئے۔جب سے بچہ پڑھنے لگا تھا۔تعلیم کا خرچ بھی عنایت بیگم ہی دیتی تھیں۔ اس وقت یہ

دونوں ماں بیٹے جتنے بھی پریشان ہوتے بجا تھا+ داروغہ جی چلے گئے تھے۔مگر اُن کا خُدا تو کہیں نہیں گیا تھا۔بہت نہیں تھوڑا سہی۔روٹی کپڑے کا نہیں۔صرف مدرسے کا ہی سہی۔پھر بھی سہارا نکل آیا+ سلیم کا ہمسایہ سوہن لال دُکان دار اور اس کی بیوی پاربتی اپنے شوخ اور شریر لڑکے کے ہاتھوں بہت ہی تنگ تھے۔کئی بار پڑھنے بٹھا چکے تھے۔ مدرسے سے بھاگ آتا تھا۔ہاتھ پاؤں رسّی سے باندھ کر بٹھاتے۔اور اس قدر مارتے۔کہ بدن پر نیل پڑ جاتے۔خُون نکل آتا۔مگر اس کی شرارت میں ذرا کمی نہ آتی تھی۔ اُٹھتا۔اور پھر ماں باپ کو وُہی گالیاں دیتا+ تمام دن چٹورپنے میں بہت سے پیسے خراب کر ڈالتا+ ماں پیسے نہ دیتی تو چُرا کر نِکال لیتا+ دن بھر پتنگ اُڑاتا پھرتا۔وہ کہتا تھا۔کہ میں پڑھوں گا تو کبھی نہیں+ گیارہ سال عُمر تھی+ مُشکل سے ٹوٹے پھوٹے لفظوں کا چھوٹا سا خط لکھ دیتا تھا۔ کتابیں پڑھنے کی طاقت بالکل نہ تھی۔اس کی بڑی خواہش تھی تو یہ کہ مجھے اکیلا دکان پر بِٹھا دیا جائے۔تو دِن بھر دُکان داری کیا کروں+ باپ نے دو ایک دفعہ ایسا کیا بھی۔اور اپنی جگہ پر بِٹھا دیا۔مگر اس کے لئے عقل چاہیئے۔اسے حساب کرنا بالکل نہ آتا تھا۔دو دِن میں ہی دُکان کا بہت سا نقصان کیا۔وہاں سے بھی اُٹھائے گئے+ لیاقت کا یہ حال تھا۔ مگر ارمان یہی۔کہ کچھ ہی ہو۔دُکان پر بیٹھوں+

Taj Tahir Foundation

اُس کے باپ سوہن لال نے سوچا۔ کہ موہن سوائے دُکان داری کے اَور کچھ سیکھنے والا تو ہے نہیں۔ تھوڑا سا حساب آجائے تو ایک دکان ڈال دُوں۔ سلیم کے پاس حساب سیکھنے کو بٹھا دیا۔ پاربتی اور سلیم کی ماں میں بہت محبت تھی ویسے بھی وہ سلیم کی ماں کی غریبی پر ترس کھایا کرتی تھی۔ خدا کے فضل سے اس کے گھر سب کچھ تھا۔ اُس نے یہ سوچ کر کہ شوق شوق میں ایک تو میرا لڑکا حساب سیکھ جائے گا۔ دُوسرے اُس غریب کا بھلا ہوتا رہے گا۔ سلیم کے پانچ روپے مہینے کے مقرر کر دیئے۔ سلیم نے تھوڑے ہی عرصے میں موہن لال کو بہت کچھ سکھا دیا۔ ایک برس میں موہن لال دکان کا خاصا کام کرنے لگا۔ سلیم بھی اب چھٹی جماعت کا امتحان دے کر ساتویں میں داخل ہو گیا۔ جب موہن لال حساب سیکھ چُکا تو اُس کی ماں نے بہت زور لگایا۔ کہ پانچ روپے مہینہ برابر دیئے جاؤں گی۔ پر سلیم کی ماں نے مانا۔ اب سلیم بھی دس برس کا سمجھ دار عقل مند لڑکا تھا۔ اُس نے کہا۔ کہ نہیں۔ اب یہ روپیہ میں مفت نہیں لینے کا۔ ماں بہت حیران ہوئی۔ اَور کہا۔ کہ اللہ رکھے اب تم بڑی جماعتوں میں داخل ہوتے جاؤ گے۔ تعلیم کا خرچ بڑھتا جائے گا۔ کیا ہو گا؟ سلیم نے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ کہ خدا مالک ہے۔ اللہ کوئی اَور سبب بنا دے گا۔ سلیم کی ماں بے چاری اپنی محنت سے اتنا ہی کر سکتی تھی۔ کہ

دونوں وقت رُوکھی سُوکھی روٹی پک جاتی۔ وُہ مدرسے کے خرچ کے لیئے روپیہ کہاں سے لاتی؟ اس کے پاس اتنا بھی نہ تھا۔ کہ بچّہ رات پڑھنے بیٹھے۔ تو تیل ہی جلائے۔ غریب سلیم کسی وقت تو منع کر دیتا تھا۔ کہ امّاں رات کو ہنڈیا نہ پکاؤ۔ میں رات کو رُوکھی روٹی کھا لُوں گا۔ پیسے کا تیل منگا لو۔ پڑھنا ضروری ہے۔ اور کسی دِن کتابیں لے کر کسی ہمسائے کے گھر جا بیٹھتا۔ اور جب تک اُن کا چراغ جلتا۔ اُس کی روشنی میں پڑھتا رہتا ۔

پاربتی نے اپنے بیٹے کی دُکان پر بیٹھنے کی خُوشی میں سلیم کو دس روپے دِئے تھے۔ اُن سے اس بے چارے نے ساتویں جماعت کی کتابیں کاپیاں وغیرہ خرید لیں۔ اب اس فکر میں تھا۔ کہ ماہواری فیس کہاں سے دُوں گا۔ ایک دِن تیسرے پہر کا وقت تھا۔ سلیم اپنے دروازے کے آگے پلنگ پر لیٹا مدرسے کی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ اس کے پلنگ کے پاس ایک راہ گیر کھڑا ہو گیا۔ اور اُس نے کہا

راہ گیر۔ میاں لڑکے مجھے بہُت پیاس لگ رہی ہے۔ گھر میں سے تُم ذرا پانی لا دو گے؟

سلیم۔ آپ بیٹھیں۔ میں ابھی لاتا ہُوں ۔

سلیم اندر گیا۔ اور ایک ٹین کے گلاس میں جو منجھا ہُوا رکھّا تھا۔ ٹھنڈا پانی بھر کر لے گیا ۔

Taj Tahir Foundation

راہ گیر۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ کیسی پیاس لگ رہی تھی! ہاں میاں لڑکے میں ایک کام کو آیا تھا۔ یہاں پاس ہی ایک بابُو صاحب رہتے ہیں۔ کچھ دن سے اُن کا نوکر بیمار ہو کر چلا گیا ہے اُنہیں کام کی بہت تکلیف ہے۔ اَور تو کچھ نہیں بازار سے سودا منگانے کی بہت تکلیف ہے + میں ایک آدمی کی تلاش میں ہوں۔ کیا تمہارے محلّے سے کوئی مل جائے گا؟

سلیم۔ کیا آپ کوئی بڑا آدمی چاہتے ہیں؟

راہ گیر۔ ہاں جیسا بھی مل جائے۔ اگر بڑا آدمی مل سکے۔ اور رات دن گھر پر موجود رہنے کا اقرار کرے۔ تو اس کو چار روپے ماہوار اور روٹی ملا کرے گی۔

سلیم۔ مجھے تو اس محلّے میں کوئی ایسا آدمی دکھائی نہیں دیتا۔ آپ کسی اَور سے پوچھیں۔ شاید مل جائے۔

راہ گیر۔ اچھا بڑا آدمی نہیں۔ تو کوئی لڑکا تو مل جائے گا؟ تم کسی لڑکے کا ہی پتہ بتاؤ۔

سلیم۔ میرے گھر کے آس پاس سات آٹھ لڑکے رہتے ہیں۔ وُہ سب تو مدرسے میں پڑھتے ہیں۔ اُن کے ماں باپ انہیں نوکری نہیں کرنے دیں گے۔ میں اس خدمت کو حاضر ہوں۔ اگر آپ منظور کریں۔

راہ گیر۔ بہت خوشی سے۔ مگر تُم بھی تو پڑھتے ہو۔ تمہارے ماں باپ منظور کریں گے؟

سلیم۔ جی ہاں۔ میں بھی پڑھتا ہُوں۔ مگر میں ان سب کے برابر نہیں + میری ماں بیوہ ہے + میں صُبح شام کا سودا لا دیا کروں گا۔ چار بجے تیسرے پہر سے آٹھ بجے شام تک وہیں رہا کروں گا۔ پر رات کو میں وہاں نہیں سو سکتا۔ کیونکہ ایک تو میری ماں اکیلی ہیں۔ دُوسرے رات کو میں مدرسے کا کام کرتا ہوں + صبح سویرے ہی پہنچ جایا کروں گا۔ اور مدرسے کے وقت تک وہاں رہُوں گا۔

راہ گیر۔ بہت اچھّا۔ بس اتنا ہی بہت ہے۔ تُم اپنی والدہ سے صلاح کر لو۔ آج شام کو اندھیرا ہوتے میں تمہیں اور تمہاری والدہ صاحبہ کو بابُو صاحب کی بیوی کے پاس لے جاؤں گا۔ وہیں تنخواہ کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اب میں جاتا ہُوں۔

سلیم خوشی خوشی گھر میں آیا۔ سب حال ماں سے بیان کر دیا۔

ماں۔ خدا کا ہزار شکر ہے۔ کہ وُہ گھر بیٹھے سامان بنا دیتا ہے۔

سلیم۔ امّاں جان میں نہ کہتا تھا۔ کہ خدا مالک ہے۔ فکر مت کرو۔ یہ تو یُوں ہی اتّفاق سے ایک آدمی ادھر آ نکلا۔ ورنہ میں پہلے ہی اس سوچ میں تھا۔ کہ کوئی کام کروں۔ جس سے زیادہ نہیں تو مدرسے کی فیس تو نکلے + اب تُم میرے ساتھ چلنا۔ وہیں سب

Taj Tahir Foundation

بات طے ہو جائے گی ۔

ماں "ہاں بیٹا۔ مَیں ضرور چلوں گی ۔ لو روٹی تو کھا لو" سلیم کی ماں نے آج ساگ پکایا تھا۔ دونوں ماں بیٹوں نے خوشی سے روٹی کھائی۔

اتنے میں رات ہو گئی ۔ وُہی آدمی، جو بابُو صاحب کا دفتری تھا۔ اُنہیں لینے آ گیا۔ اور یہ دونوں وہاں چلے گئے۔ سلیم کی غریب ماں کو دیکھ کر بابُو کی بیوی کو بہت ترس آیا + اُنہوں نے سلیم کے لئے دونوں وقت کی روٹی اور آٹھ روپیہ مہینہ مقرّر کر دیا۔

سَلیم بہت لیاقت اور جاں نثاری سے کام کرتا تھا۔ صبح سویرے اُٹھ کر وہاں چلا جاتا۔ اور مدرسے کے وقت تک علاوہ سودا لانے کے اَور بہت سے کام کرتا + تیسرے پہر مدرسے سے یہیں آتا اور کام میں لگ جاتا + روٹی کھا کر آٹھ بجے رات کے گھر جاتا۔ اور ۱۱ بجے رات تک اسکول کا کام کرتا + یہ اپنے وقت کو بہت قیمتی سمجھتا تھا۔ اور اس لئے اُس کا ایک منٹ بھی ضائع نہ جاتا تھا۔

سال بھر اُس نے خوب جی لگا کر پڑھا بھی۔ اور کام بھی کیا۔ اور اس دفعہ بھی ساتویں جماعت کا امتحان دے کر پاس ہو گیا + بابُو صاحب کی بیوی نے اس کے پاس ہونے کی بہت خوشی کی۔ کپڑے بنا دئے۔ اور آٹھویں جماعت کی کُل کتابیں خُود خرید دیں + اب ہمارا ہونہار سلیم اپنی عمُر کا گیارھواں سال ختم کر کے بارھویں

برس مڈل میں داخل ہو گیا۔ اور بابُو جی نے اس کی تنخواہ دس روپیہ ماہوار کر دی + اس برس سلیم نے اُن کے گھر کے پہلے سے بھی زیادہ بڑے بڑے کام کئے۔ اور ویسی ہی محنت سے اپنی تعلیم جاری رکھّی + یہ سال بھی ختم ہُوا + سلیم نے آٹھویں جماعت کا امتحان دیا۔ اور کیسی خوشی اور خدا کی مہربانی تھی۔ کہ اس میں بھی کامیاب ہُوا اور نہ صرف مڈل پاس کیا۔ بلکہ دوہری کامیابی ہُوئی۔ آٹھ روپیہ ماہوار وظیفہ مقرّر ہو گیا + یہ بہت خوش ہُوا۔ کہ آٹھ پہلے تھے۔ آٹھ اب ہو گئے + اعلیٰ تعلیم کا خرچ نکل آیا + مگر افسوس کہ بابُو صاحب کی بیوی کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ وہ اپنے میکے چلی گئیں۔ کھانا پکانے والی عورت نے مردانہ گھر میں رہنا پسند نہ کیا۔ اور وُہ بھی اپنے گھر چلی گئی + دو چار دن تو اُنہوں نے بازار سے منگا کر روٹی کھائی۔ پھر اُن کی بیوی نے اپنے میکے سے ایک باورچی بھیج دیا + اس نے آتے ہی کھانا پکانا اور سب کام سنبھال لیا۔ سَلیم نے اپنے گھر آجانے کی اجازت مانگی + بابُو صاحب نے بہت خوشی سے رخصت کر دیا۔ اور کہا۔ کہ دس روپیہ مہینہ اپنی تعلیم کے لئے تُم ہم سے لئے جاؤ۔ اب تُم انٹرنس میں پڑھو گے۔ اس لئے بہت سا وقت چاہیئے۔ اب تم اپنے گھر بیٹھ کر پڑھو + سلیم نے گھر بیٹھے روپیہ لینا کسی طرح منظور نہ کیا۔ اور یہ کہہ کر چلا آیا۔ کہ اب مجُھ کو وظیفہ ملتا ہے ۔

Taj Tahir Foundation

تیرھویں سال انٹرنس میں داخل ہوگیا۔ دو تین مہینے کے بعد بابو صاحب کی بیوی بھی آ گئیں + اُن کے ساتھ تین چھوٹے بچّے بھی آئے جن میں ایک نو برس کا لڑکا اور دو سات اور آٹھ برس کی لڑکیاں تھیں + یہ تینوں اُن کے بھائی بہن تھے۔ کیونکہ اُن کی امّاں مر گئی تھیں۔ یہ تینوں بچّوں کو ساتھ لے آئی تھیں ٭

یہاں آ کر معلوم ہُوا۔ کہ سلیم اُن کے گھر سے الگ ہو چُکا ہے + اُنہیں بہت افسوس ہُوا۔ اور میاں پر خفا ہوئیں۔ کہ اسے کیوں ہٹا دیا؟ اسی دِن سلیم کو بلوایا۔ اور اُن تینوں بچّوں کے پڑھانے کے لئے رکھ لیا۔ اس سے کہا۔ کہ اسکولوں کی طرح باقاعدہ سب مضمون پڑھائے۔ اور پچیس روپے مہینہ مقرّر کر دیا ٭

ان دنوں سلیم کو اپنا بہت سا کام تھا۔ پر اِن کے کہے کو اُس نے نہ ٹالا۔ اور سوچا۔ کہ اگر میں نے نہ مانا۔ تو وُہ اسکول میں تو پڑھنے سے رہے۔ اَن پڑھ رہ جائیں گے + دُوسرے یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ میری اعلیٰ تعلیم کا سامان ہو گیا + اس نے اس طرح وقت مقرر کیا۔ کہ سکول سے سیدھا ادھر ہی چلا آتا + تین گھنٹے انہیں پڑھاتا + پھر یہاں سے گھر جا کر اپنا کام کرتا + دو سال تک ایسے ہی پڑھاتا رہا اس دو سال میں اُس نے اُن تینوں بچّوں کو چار سال کے برابر تعلیم دے دی۔ اور پھر آپ بھی انٹرنس کے امتحان میں پاس ہوگیا ٭

انٹرنس پاس کرنے کی خُوشی میں اُس نے دوستوں کو ایک ٹی پارٹی دی۔ اپنا گھر تو اس قابل تھا ہی نہیں۔ اِنہیں بابو صاحب کے مکان کے ساتھ جو باغیچہ تھا۔ بیگم صاحبہ نے اُسی میں پارٹی کا سامان کر دیا + میز کرسیاں لگوا کر چائے بنوا رہی تھیں۔ مٹھائی اور پھل وغیرہ منگوانے کو تھیں۔ اتنے میں معلوم ہُوا۔ کہ سلیم سب کچھ اپنے پاس سے لے آیا + سلیم کو بلا کر بہت خفا ہوئیں۔ کہ تم نے کیا کیا؟ سب کچھ میں خود کر دیتی۔ کسی چیز کی کمی رہتی۔ تب ہی تم لاتے ٭

سلیم۔ (نیچی آنکھیں کر کے) جناب میں کس کا ہُوں۔ اور یہ جو کچھ میرے پاس ہے۔ یہ کس کا ہے؟

بیگم۔ بے شک تم میرے ہو۔ اور اسی لئے مجھے بُرا لگا۔ کہ میرے ہو کر ایسا کیوں کیا؟

سلیم۔ کوئی بُرا لگنے کی بات نہیں ہے۔ جب کہ سب کچھ آپ ہی کا ہے + چار سال ہوئے مجھے یہیں رہتے + میری سب ضرورتوں کو کس نے پُورا کیا؟ آج انٹرنس پاس کس نے کرایا؟ اس وقت آپ نے اتنا سامان کیا۔ اگر تھوڑی سی چیزیں میں لے آیا۔ تو کیا ہُوا؟ ہاں میں ایک خُوشی کی بات تو سُنانی بھول ہی گیا۔ آپ کو تو معلوم ہے۔ آج کل علی گڑھ کالج کے طالب علم آئے ہُوئے ہیں۔ وُہ

Taj Tahir Foundation

ہر سال چندہ جمع کرنے کے لئے شہروں پھرا کرتے ہیں۔
اور یہ چندے سے جمع کیا ہُوا روپیہ بینک میں رکھا جاتا ہے ۔ پھر
اس کی آمدنی سے دُوسرے غریب لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ کل
اس ڈپوٹیشن کے سکرٹری صاحب ہمارے بابُوجی سے چندہ مانگنے
آئے تھے۔ میں وہیں بیٹھا تھا۔ مجُھ سے پُوچھتے رہے ۔ کہ کہاں
تک تعلیم پائی ہے۔ اور جب معلوم ہُوا۔ کہ مَیں انٹرنس پاس کر چُکا
ہُوں۔ تو مُجھ سے کہا۔ کہ ہمارے ساتھ پھرو۔ اور اپنے دوستوں سے
چندہ دلواؤ۔ اور علی گڑھ چل کر وہاں کالج میں داخل ہو جاؤ+ بابُوجی
نے کہا۔ بہت غریب بیوہ ماں کا لڑکا ہے۔ علی گڑھ میں تعلیم پانے
کے قابل اس کے پاس روپیہ نہیں ہے۔ اور ایسے حال میں تو
اب یہاں ہی کے کالج میں داخل ہونا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے +
یہ سُن کر سکرٹری صاحب بہت افسوس کرنے لگے۔ اور کہا۔
کہ کیا اب تم نوکری کرو گے؟ میں نے کہا۔ دل تو نہیں چاہتا۔ اور
یہی چاہتا ہُوں۔ کہ کسی طرح بی۔ اے تک پڑھوں+ کل میری طرف
سے بابُو صاحب اسکول کے لڑکوں کو پارٹی دیں گے۔ آپ سب
بھی اس میں شریک ہوں۔ کل تو وہ یہ کہہ کر چلے گئے تھے۔ کہ
اچھا تمہاری تعلیم کی بابت بھی سوچیں گے۔ اور پارٹی میں شریک
ہونے کی صلاح کر کے لکھیں گے+ اب جو میں بازار سے آیا۔

تو اُن کی چھٹّی ملی+ لکھّا ہے۔ کہ پانچوں ممبر اور سکرٹری ڈپوٹیشن پارٹی
میں شریک ہوں گے۔ آپ خیال کریں کیسی خوشی کی بات ہے۔
اُن کے آنے سے نہ صرف میری بلکہ میرے دوستوں کی کتنی عزت
ہو گی +

بیگم۔ خیر یہ سب تو ہُوا۔ خدا کرے۔ تمہاری تعلیم کا کچھ بندوبست
کرتے جائیں +

اِن باتوں کے بعد محمد سلیم باغیچے میں آئے۔ یہاں ایک طرف
میزوں پر سب چیزیں چُنی تھیں+ تھوڑی دیر میں اُن کے دوست
آنے شروع ہو گئے۔ جو کوئی پچّاس ہوں گے۔ اب صرف علی گڑھ
ڈپوٹیشن کا انتظار تھا+ ان سب کی آنکھیں دروازے پر لگی تھیں۔
اتنے میں سامنے سے ایک گاڑی آکر ٹھہری۔ کوٹ پتلون پہنے
ایک سے پانچ نوجوان اُترے۔ اُن کے آتے ہی یہ سب کھڑے
ہو گئے۔ اور سب کے بیچ میں اُنہیں بٹھایا+ تب ہمارے محمد سلیم
نے کھڑے ہو کر یُوں تقریر کی:-

مَیں نہایت سچے دل سے اپنے معزز دوست اور خصوصاً جناب
سکرٹری صاحب اور ممبران ڈپوٹیشن کا اُن کی اس مہربانی پر شکریہ
ادا کرتا ہُوں۔ جو آپ سب نے اس وقت تشریف لا کر مجھ غریب
پر کی+ لیکن افسوس میرے پاس وُہ الفاظ نہیں ہیں۔ جن میں اپنے

Taj Tahur Foundation

خلوص دلی اور احسان مندی کا اظہار کروں + آپ سب مجھے معاف فرمائیں۔ مَیں غریب آپ سب کا شکریہ ادا کرنے کے قابل بھی نہیں میرے مہربان دوست امتحان انٹرنس میں کامیاب ہونے کی مجھے مُبارک باد دینے آئے ہیں۔ اور یُوں ہی ہنسی مذاق کی باتیں کرکے چلے جاتے۔ اگر صرف ہم ہی ہوتے۔ مگر اب ایسا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس وقت ہماری پارٹی میں چند وُہ شکلیں بھی نظر آرہی ہیں۔ جو ہماری قوم میں قابل فخر ہیں۔ اور جن کی پیروی کرنا ہماری خوش قسمتی کی نشانی ہے + ہم سب کو چاہئے۔ اپنے ہمدرد قومی بھائیوں کے کام میں مدد دیں۔ اپنے مقامی دوستوں سے مدد کی اُمّید پر مسٹر ظہُور الاسلام صاحب سکرٹری ڈپوٹیشن سے فہرست چندہ لے کر آپ کے آگے سوال کا ہاتھ پھیلاتا ہُوں۔ دیکھوں کون کون میری مدد کرتا ہے +"

یہ کہتے ہُوئے فہرست اُٹھا کر میز پر کھول دی + اس کاغذ کا میز پر رکھنا تھا۔ کہ سب اِرد گرد کھڑے ہوگئے۔ کسی نے پانچ کسی نے دس اور کسی نے بیس روپے لکھوائے۔ اسی طرح لکھواتے چلے گئے + جب سب لکھا چکے۔ تو سکرٹری صاحب میزان لگانے لگے + محمد سلیم نے قلم ہاتھ سے لے کر اپنی طرف سے پانچ لکھ دِئے + پھر سکرٹری صاحب نے جمع کئے تو پُورے پانچ سو روپے ہوئے +

فہرست بند کرکے مسٹر ظہُور الاسلام کھڑے ہُوئے اور کہا:۔

"ہم ڈپوٹیشن کے ممبر اس موقع پر اپنی وُہ دِلی خُوشی ظاہر کرتے ہیں۔ جو اس پارٹی میں شریک ہونے سے ہمیں ہُوئی۔ اور پھر دِل سے تمام پارٹی اور خصوصاً مسٹر محمد سلیم کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جن کی اعلیٰ ہمّت اور کوشش سے ایک گھنٹہ کے اندر اندر ہمیں اس قدر روپیہ مل گیا +

ہمیں اپنے دوست بابُو محمد علی صاحب کی زبانی ہونہار نوجوان مسٹر محمد سلیم کے حالات معلوم ہو چکے ہیں۔ اور یہ معلوم کرکے بہُت خُوشی ہُوئی۔ کہ آپ اعلیٰ تعلیم پانا چاہتے ہیں + ہمیں اس کی خاص فکر ہے + انشاءاللہ یہاں سے جاتے ہی محمد سلیم صاحب کے علی گڑھ بُلانے کا بندوبست کریں گے۔ اور انشاءاللہ ضرور کالج کھلنے پر اُن کو بُلا بھیجیں گے +

مَیں کہہ سکتا ہُوں کہ "انجمن الفرض" کے سر بڑا گُناہ ہوگا۔ اگر وُہ ایک ایسے لائق اور جوشیلے نوجوان کو تعلیم نہ دے سکے +

ظہور الاسلام صاحب کے بیٹھنے کے بعد محمد علی صاحب جن کے گھر پر جلسہ تھا۔ کھڑے ہُوئے۔ اور محمد سلیم کے بہُت سے سچے قابل تعریف حالات بیان کرنے کے بعد کہا۔ کہ اگر انجمن الفرض کی طرف سے محمد سلیم کا وظیفہ مقرّر ہو جائے تو پچیس روپے ماہوار میں دیتا رہوں گا +

Taj Tahir Foundation

اس کے بعد سب نے چائے وغیرہ پی۔ اور اپنے اپنے گھر چلے گئے ۔

محمد سلیم بھی اپنے مہربان بزرگوں کا شکریہ ادا کر کے اپنے گھر آئے۔ اور ماں کو سب حال سُنایا + اس کی خوشی کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ اُسی وقت دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی ۔

دو ہفتے کے بعد علی گڑھ سے بُلاوے کا خط آ گیا۔ اور محمد سلیم علی گڑھ جا کر کالج میں داخل ہو گئے۔ انہیں "انجمن الفرض" سے وظیفہ ملتا تھا۔ اور پچیس روپے ماہوار بابُو محمد علی صاحب بھیجتے تھے + سلیم کی تعلیم کا یُوں سامان ہو گیا تھا + ان کی امّاں محنت و مزدوری سے گزارہ کرتی رہیں ۔

سلیم کو علی گڑھ گئے دس مہینے ہُوئے تھے۔ کہ کالج بند ہو گیا + اب سب طالب علم اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ سلیم نے سوچا۔ کہ دو مہینے اپنے گھر خالی بیٹھ کر گزارنے سے یہ اچھّا ہو گا۔ کہ میں بھی چندہ جمع کرنے والے لڑکوں کے ساتھ پھروں۔ اور یہ میرا ضروری فرض بھی ہے۔ کیوں کہ اِنہیں لڑکوں کی مہربانی۔ مدد اور ہمدردی سے میں یہاں تک پہنچا ہُوں ۔

دِل یہ بھی چاہتا تھا۔ کسی طرح جلدی جا کر اپنی ماں سے ملوں۔ مگر اُس نے اپنا دِل خوش کرنے سے قوم کو فائدہ پہُنچانا زیادہ اچھّا

سمجھا۔ اور ماں کو لکھ دیا۔ کہ جب ہم اس طرف چندہ لینے کے لئے آئیں گے۔ تو دو دن کے لئے آپ کے پاس بھی ٹھہروں گا۔ بس اُس نے اسی طرح کیا + اس نے ان دو مہینوں میں بہُت روپیہ جمع کر لیا +

چھُٹّیوں کے بعد کالج کھُل گیا۔ اور طالب علم علی گڑھ آ گئے۔ اس دفعہ بھی یہ سالانہ امتحان میں دوم نمبر پاس ہُوا + دُوسرے سال اس سے بھی زیادہ محنت سے پڑھا۔ اور الف۔ اے پاس کر لیا + محمد سلیم کی لیاقت محنت اور قومی ہمدردی دیکھ کر علی گڑھ والوں نے اَور بھی زیادہ پڑھانا اپنے ذِمّے لے لیا۔ اور اس پہلے وظیفے میں زیادتی کر دی ۔

اب محمّد سلیم بی۔ اے میں پڑھنے لگے۔ اور کالج میں اُن کی تعریفیں ہونے لگیں + طالب علموں سے لے کر پرنسپل تک اُن کی قدر کرتے تھے۔ آخر محمد سلیم دو سال کی محنت کے بعد بی۔ اے کے امتحان میں بھی پاس ہو گئے + اس خوشی میں کالج والوں نے انہیں کئی پارٹیاں دیں + سب دوست کہتے تھے۔ کہ اب تمُھیں کوئی بہُت اچھّا سا کام ملے گا۔ سینکڑوں روپیہ مہینہ کماؤ گے۔ مگر محمد سلیم یہ باتیں سُن کر ہنس کے ٹال دیا کرتے تھے ۔

جب اُن سے کالج کے کئی بڑے افسروں نے پُوچھا کہ اب تم کیا کام کرو گے؟ تو یہی جواب دیتے۔ کہ اپنے کالج کی خدمت ۔

Taj Tahir Foundation

سلیم نے جیسا کہا۔ ویسا ہی کر دکھایا + اُسی کالج کے اسکول کے لڑکوں کو پڑھانا اپنے ذمّے لیا۔ اور اسکول ماسٹر مقرر ہو گئے۔ ڈیڑھ سو روپے مہینہ تنخواہ ہوئی۔ اپنے کالج کی طرف سے یہ خدمت ملنے کی خوشی میں اُن کے دوستوں نے ایک پارٹی دی۔ اس میں اُنھوں نے جو تقریر کی تھی۔ اس میں یہ بھی بیان کیا۔ کہ اس وقت جہاں مجھے یہ قومی خدمت ملنے کی خوشی ہے۔ وہیں یہ رنج بھی ہے۔ کہ یہ کام میں تنخواہ پر کرتا ہوں + یہ بالکل مجھے نہ چاہئے تھا۔ ایسا تو ہر ایک آدمی کر سکتا ہے + مجھ پر واجب تھا۔ کہ کالج کا کام مفت کرتا۔ مگر خدا جانتا ہے۔ کہ میں بہت غریب ہوں۔ اس کے سوا کوئی صورت گزارے کی نہیں + میرے مہربان سرپرستوں نے جتنے روپے ماہوار مجھے دینے منظور کئے ہیں۔ یہ ضرورت سے زیادہ ہیں۔ اس سے کم میں بھی میرا اور میری بیوہ ماں کا گذارہ ہو سکتا ہے۔ سو روپے مہینہ ہم دونوں کے واسطے بہت ہے ٭

اُن کی اس تقریر سے کالج والے بہت خوش ہوئے۔ اور اُن کے کہنے سے تنخواہ میں کمی تو کیا کرتے۔ اُلٹا اُور تنخواہ بڑھانے کا وعدہ کیا"

جب محمد سلیم بی۔ اے کا نام اسکول ماسٹروں میں لکھا جا چکا۔ تو اُنھوں نے ایک لڑکا باہر کے لئے۔ اور ایک عورت اندر کے لئے نوکر رکھی۔ اور پھر آٹھ دن کے لئے اپنے وطن آئے + محمد سلیم کے بی۔ اے

پاس کر کے آنے کی خبر سُن کر اُن کے سب کلاس فیلو اور دُوسرے ہم وطن دوستوں نے بڑے شوق سے ملنے کی تیاریاں کیں + ریل سے اُترتے ہی کمپنی باغ ملنے کا بندوبست کیا + بیسیوں دوست مِل کر اسٹیشن پر لینے گئے ٭

خیر یہ سب کچھ تو ہُوا۔ اب ذرا دیکھنا چاہئے۔ سلیم کی ماں کا حال کہ وہ آج کتنی خوش ہے۔ جس کو بالکل نااُمیدی میں آج یہ دن دیکھنا نصیب ہُوا + سلیم کو تین برس کا یتیم بچہ چھوڑ کر جس وقت اس کا غریب باپ دُنیا سے رخصت ہُوا تھا تو سوائے خدا کے سلیم کی ماں کا کوئی سہارا نہ تھا + یہ حالت تھی۔ کہ اُس دن رات کے کھانے کو ٹکڑا بھی گھر میں نہ تھا + ایسی غریبی اور محتاجی میں اس نے سلیم کو پالا۔ جب پانچ برس کا ہُوا۔ تو کن مُصیبتوں سے پڑھانا شروع کیا ٭

اُس دن کے بعد سے جن مُشکلوں کا سامنا سلیم کو ہُوا۔ وہی کچھ جانتا ہے۔ لیکن صرف اپنی کوشش اور سخت محنت اور خدا کی مدد سے آج سلیم نے یہ دن دیکھا + کیا سلیم کی ماں کو کبھی یہ اُمید ہوئی ہو گی ؟ کبھی نہیں + اس کے تو خیال میں بھی یہ باتیں نہ آتی ہوں گی ٭

بیٹے کے آنے کی خوشی میں وُہ آج سویرے ہی اُٹھ بیٹھی + سارا گھر صاف کیا۔ ایک پلنگ پر دری بچھا کر اس پر اپنے ہاتھ کے کاتے ہوئے سُوت کی سفید چادر بچھائی + کسی کے کپڑوں کی سلائی میں شام

Taj Tahir Foundation

ہی پانچ روپے ملے تھے۔ بیٹے کے لئے بہت اچھی اچھی چیزیں پکائیں۔ آپ بھی سفید کپڑے پہن کر بیٹے کا انتظار کرنے لگیں۔

محمد سلیم بی۔اے جونہی ریل سے اُترے۔ سب دوست بہت ہی عزت اور محبت سے ملے۔ بابو محمد علی صاحب نے اُنہیں سینے سے لگایا۔ اب وہ سب تو چاہتے تھے۔ کہ گاڑی میں بٹھا کر باغ میں لے چلیں۔ اور محمد سلیم صاحب کو یہ جلدی تھی۔ کہ کسی طرح اپنی سچی چاہنے والی مہربان بابو محمد علی صاحب کی بیوی کو سلام کر آئیں۔ اور اپنی غریب ماں سے مل آئیں۔

مگر بابو محمد علی صاحب نے سمجھایا۔ کہ یہ بات بے قاعدہ ہے۔ اُنہوں نے بہت سامان کئے ہیں۔ باغ سجایا ہے۔ تمہیں پہلے وہیں جانا چاہیئے۔ ان کے کہنے سے بہت سخت دل کر کے وہ باغ میں آئے۔ یہاں دو ایک چھوٹی چھوٹی تقریریں ہوئیں۔ اور بہت خوشی سے چائے پی۔

دوستوں کا دل چند منٹ کی ملاقات سے کس طرح بھر سکتا تھا۔ وہ اُن سے علیحدہ ہونا نہ چاہتے تھے۔ پر وہ سب سے معافی مانگ کر کھڑے ہو گئے۔ پہلے بابو محمد علی صاحب کے گھر گئے۔ اور پھر اپنے گھر گئے۔ محمد سلیم کی عمر اس وقت پورے اُنیس سال کی تھی۔ ان کا رنگ بہت گورا تھا۔ جو ہر وقت کی فکر سے کبھی سُرخ نہ ہونے پایا۔ آج اپنی اس درجہ کامیابی کی خوشی میں سُرخ و سفید ہو رہا تھا۔ اس وقت وہ کالا

کوٹ پتلون اور کالا بوٹ پہنے ہوئے تھے۔ سر پر عنابی رنگ کی ترکی ٹوپی تھی۔ جوں ہی سلیم نے دروازے کے اندر قدم رکھا۔ ماں نے جلدی سے کلیجے سے لگا لیا۔ اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

محمد سلیم۔ ہیں امّاں جان آپ اس وقت روتی کیوں ہیں۔ میں تو آگیا۔ اور دیکھئے کس طرح آیا۔ خدا کا شکر کیجئے۔ کیا آپ کو ایسی اُمید تھی؟

ماں۔ بیٹا میں تو ہر وقت خدا کا شکر کرتی ہوں۔ لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ اُس نے مجھے یہ دن دکھایا۔ مجھے امید تو کیا۔ اِن باتوں کا خیال بھی نہیں آتا تھا۔ بتاؤ سلیم اب تو تم یہیں رہو گے نا؟

محمد سلیم۔ امّاں جان بہت دن ہوئے آپ کے ہاتھ کی روٹی کھائے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ پہلے روٹی کھلائیے۔ پھر کہوں گا۔

ماں۔ لو میاں سب کچھ تیار ہے۔ میں نے تو اس لئے نہیں کہا۔ کہ تمہارے دوستوں نے سنا ہے۔ بڑے بڑے سامان کئے ہیں۔ وہاں کچھ کھایا ہو گا۔

محمد سلیم۔ امّاں جان مجھ سے تو وہاں کچھ نہیں کھایا گیا۔ آدھی پیالی چائے کی پی تھی۔ ماں نے بیٹے کو پلنگ پر بٹھایا۔ اور کھانا لا کر آگے رکھا۔ سلیم نے کھانا کھاتے وقت سب حال سُنا دیا۔

ماں۔ میاں تم تو بہت جلدی نوکر ہو گئے۔ میں تو یہ سُنا کرتی تھی۔ کہ مدرسے سے نکل کر بہت دنوں نوکری کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرا کرتے ہیں۔

Taj Tahir Foundation

محمد سلیم۔ ہاں اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ مگر اماں جان آپ پر خدا بہت ہی مہربان ہے۔ میں وہاں آپ کے لئے سب سامان کر آیا ہوں+ اسکول کے ساتھ ہی ہیڈ ماسٹر صاحب کا بنگلہ ہے۔ انہوں نے اسی میں سے دو کمرے اور ایک برآمدہ مجھے دے دیا ہے+ ایک لڑکا اور ایک عورت دو آدمی میں نوکر رکھ آیا ہوں۔ اب آپ کے لینے کو آیا ہوں آپ پانچ چھ ضروری برتن منگوالیں۔ اور آٹھ دس جوڑے اپنے بنوالیں۔

ماں۔ اے اللہ میں تیرے صدقے جاؤں۔ تو نے مجھے اس یتیم بچے سے وہ راج دکھایا۔ جس کے لائق میں نہیں تھی+ میرے سلیم یہ تو بتاؤ۔ کہ یہ سب کچھ کہاں سے ہوگا۔ اور تم نے کیسے کیا؟ کتنے ہو نوکری میں ابھی نام ہی لکھا ہے۔

محمد سلیم۔ دو سو روپے میں نے اپنے ایک دوست سے قرض لے لئے ہیں۔ اس میں یہ سب کچھ ہو جائے گا+ پھر تنخواہ ملتے ہی قرض اُتار دوں گا۔ گا+ سو روپے میں تو آپ گزارہ کرلیں گی۔

ان آٹھ دنوں میں ماں بیٹے نے سب درستی کرلی+ پھر سلیم اپنی ماں کو لے کر علی گڑھ آئے۔ اور اچھی طرح رہنے لگے+ علی گڑھ کی جو بی بی محمد سلیم کی ماں سے ملتیں۔ بہت ہی خوش ہوتیں۔ اور تعریفیں کرتیں+ سلیم کی نیک مزاجی نے اپنے بیٹے کی طرح سب ملنے والیوں کے دل میں گھر کرلیا۔ بڑی بڑی امیر بیگمیں اُن کے گھر آتیں۔ اور اُنہیں اپنے گھر بلاتیں۔

اور اُن سے مل کر خوش ہوتیں۔

یہاں کالج سے تھوڑی دور ہی مرزا محمد عالم ڈپٹی کلکٹر کی کوٹھی تھی+ وہ چار پانچ سال سے محمد سلیم کو دیکھ رہے تھے+ اُن کے دل میں محمد سلیم کی بہت ہی قدر و محبت تھی۔ اُن کی بیگم نے کئی دفعہ سلیم کی والدہ صاحبہ کی دعوت کی۔ اور آپ بھی اُن کے گھر گئیں+ ان کی ایک اکلوتی تعلیم یافتہ جوان لڑکی تھی۔ جس کی شادی کی اُنہیں بہت فکر تھی+ اپنی مرضی کا کوئی اچھا لڑکا نہ ملتا تھا۔

محمد سلیم کی ماں بے چاری کا تو اتنا حوصلہ کہاں تھا۔ کہ سلیم کی شادی کے لئے اُن سے کہتیں۔ وہ ڈپٹی کلکٹر۔ اُن کا بیٹا کل ڈیڑھ سو روپے کا ماسٹر+ ڈپٹی صاحب نے ہی دو ایک آدمیوں سے کہلوایا+ محمد سلیم جو اسکول ماسٹری کا کام کرتے ایک سال ہوگیا تھا+ اُنہیں بہت اچھا پڑھانے والا اُستاد پاکر افسروں نے ہیڈ ماسٹر کردیا۔ اور تنخواہ اور بھی زیادہ ہوگئی۔

ادھر اُن کی ترقی ہوئی۔ اُدھر ڈپٹی صاحب نے اپنی بیٹی کی منگنی محمد سلیم صاحب سے کردی۔ اور تھوڑے ہی دنوں بعد شادی ہوگئی+ پھر ڈپٹی صاحب نے ان کے افسروں سے کہا۔ کہ محمد سلیم کا استعفا منظور کرو۔ میں اُنہیں ولایت بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس بات کا اقرار کرالو۔ کہ وہاں سے واپس آکر محمد سلیم اپنے کالج کو نہیں بھولے گا۔ اور جیسے بھی ہو ضرور مدد کرتا رہے گا۔

ڈپٹی صاحب کے کہنے سے کچھ دنوں بعد محمد سلیم کا استعفا منظور ہوگیا۔

Taj Tahir Foundation

اور اُنہوں نے بیرسٹری کے لئے اپنے لائق داماد محمد سلیم صاحب بی۔ اے کو ولایت بھیج دیا۔ تین سال بعد بہت عزّت و ناموری کے ساتھ بیرسٹر بن کر واپس وطن آئے+ یہاں بہت دھوم دھام سے دوستوں نے انہیں لیا+ وہاں سے پھر علی گڑھ پہنچے۔ یہاں بھی اُن کے آنے کی خوشی میں بہت کچھ ہُوا۔ اور تو خیر۔ اُن کی ماں کے دِل کا آج کیا حال ہوگا، وہ بے چاری تو یہ خیال بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ کہ میرا بچّہ ولایت سے یُوں تعلیم پا کر آئے گا۔

جن دنوں یہ ولایت میں تھے۔ اُن کے پیچھے ڈپٹی صاحب نے بیٹی اور داماد کے لئے ایک علیحدہ کوٹھی بنوا رکھی تھی۔ وہاں سے آکر تھوڑے دنوں بعد محمد سلیم صاحب بی۔ اے بیرسٹریٹ لاء اور اُن کی والدہ صاحبہ سب اس کوٹھی میں رہنے لگے+ اب کئی نوکر باہر اور کئی اندر ہو گئے+ موٹر کار اور ریڈیو اور بہت اچھے اچھے کُتّے یہ سب چیزیں اُن کی کوٹھی کی رونق تھیں + اُنہوں نے پچاس روپے ماہوار "انجمن الفرض" کو دینے کا وعدہ کر لیا۔ اور برابر دیتے رہے + اپنے پُرانے سرپرست بابُو محمد علی صاحب کی بھی بہت مدد کی۔ اُن کے چھوٹے بچّوں کو پڑھوانے کے لئے اپنے پاس بُلوا لیا۔

ہمارے اُس ننھے سلیم کی جو بے چارہ کبھی ٹُکڑے ٹُکڑے کو محتاج تھا سب لوگ بہت عزّت کرتے تھے۔ علی گڑھ والے ان سے بہت خوش

تھے+ جس کو بچپن میں چراغ کے لئے تیل نہ ملتا تھا+ آج اُس کی کوٹھی بجلی کے لیمپوں سے جگ مگ جگ مگ کرتی تھی۔

مگر سب کچھ آخر کیوں اور کیسے ہوگیا؟ کیا خُدا نے چھپّر پھاڑ کر دے دیا؟ نہیں بہت ہی محنت اور مصیبت سے۔ وقت کا ایک منٹ بھی بیکار نہ کھونے سے رات اور دن پرائی خدمت کرنے سے اور پھر دِل لگا کر پڑھنے سے۔

جب گھر میں تیل نہ ہوتا تھا۔ تو غریب سلیم کتاب ہاتھ میں لے کر بازاروں میں لالٹینوں کی روشنی میں پڑھا کرتا تھا+ یہ اُس بازاری لالٹین کی روشنی میں کھڑے ہو کر پڑھنے کا نتیجہ ہے۔ کہ آج وہی غریب سلیم مرزا محمد سلیم خاں بی۔ اے بیرسٹرایٹ لاء ہے۔ جن کی کوٹھی میں بجلی کی روشنی ہے۔ نہ غریب سلیم اِتنا دل لگا کر پڑھتا۔ نہ انٹرنس پاس ہوتا+ یہ بھی ہوگیا تھا۔ تو پھر اگر ہمدردی کو دل میں جگہ نہ دیتا۔ تو علی گڑھ والے کیوں اس کی قدر کرتے؟ اور جب وہ سر پر ہاتھ نہ دھرتے۔ تو یہ بی۔ اے بھی نہ ہو سکتا+ اور بی۔ اے نہ ہوتا۔ تو ڈپٹی صاحب اپنی بیٹی بھی نہ دیتے۔ نہ اتنا روپیہ خرچ کر کے ولایت بھیجتے+ تو جاننا چاہئے۔ کہ جو کچھ کیا۔ سلیم نے خود کیا۔ اپنی ہمّت سے کیا۔ اپنی کوشش سے کیا۔ اور اپنی تدبیروں کا اچھا نتیجہ پایا۔

ہر چھوٹا آدمی اسی طرح اُونچے درجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ ایک غریب

Taj Tahir Foundation

آدمی اسی طرح امیر ہو سکتا ہے + میرے ننھے عزیزو۔ تمہیں سلیم سے سبق حاصل کرنا چاہیئے + ہمارا وہی غریب سلیم اپنی کوشش سے دیکھتے ہی دیکھتے ایک معزز بیرسٹر بن چکا ہے ٭

اردو پریس لاہور میں باہتمام امتیاز علی تاج پرنٹر پبلشر چھپ کر دارالاشاعت لاہور سے شائع ہوا

چند نئی کتابیں

تاریخ بھی مزے کی چیز ہے

جو بچوں کا دل بہلانے کے ساتھ ساتھ ان کی معلومات میں قابلِ قدر اضافہ کرتی اور کم عمری ہی میں انہیں سمجھا دیتی ہے کہ دنیا میں انسان کی سرگرمیاں اب تک کیا کچھ رہی ہیں۔ اور اُن کا رُخ کدھر کو ہے۔ اس کتاب میں دنیا کی سب سے دلچسپ کہانی ہے۔ انسان کی کہانی۔ کہ اس نے اِس دُنیا میں زندگی کیسے شروع کی۔ کیونکر اپنے لئے غذا پیدا کی۔ تن ڈھانپا۔ رہنے کا ٹھکانا بنایا۔ اپنی ان بنیادی ضرورتوں پر قادر ہونے کے بعد قوت اور تخیل سے کام لے کر آرٹ۔ ادب اور عظیم ایجادات سے زندگی کو سجایا۔ تہذیبیں قائم کیں۔ وہ کیوں برباد ہوئیں۔ کون کون سے مذہب دُنیا میں آئے۔ اور اُنہوں نے کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے۔ پاکستان قائم ہونے تک کی یہ داستان مولانا عبدالمجید سالک نے ایک انگریزی کتاب سے لیکر ایسے آسان لفظوں میں ایسی مٹھاس اور ایسی گھلاوٹ سے بیان کی ہے کہ بچے تو کیا بڑے بھی کتاب شروع کرکے ہاتھ سے نہیں رکھ سکتے۔ ساتھ ہی کارٹون کی قسم کی بہت دلچسپ تصویریں۔ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے۔

قرآنی سبق

اِس کتاب میں مولانا محمد جعفر صاحب پھلواروی رُکن ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ نے تلاش اور غور و خوض کے بعد قرآن مجید میں سے صرف ایسی باتیں چُن لی ہیں۔ جو بچوں کی روزمرہ زندگی سے بہت گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ ان باتوں پر بہت سلیس اور شگفتہ مضامین لکھ کر بچوں کو سمجھایا ہے۔ کہ قرآن مجید کوئی جادو منتر کی کتاب نہیں۔ بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بتایا ہے۔ کہ بنیادی اخلاق کی کن باتوں کا خیال رکھ کر وہ اپنی زندگی کو صحیح معنوں میں اسلامی بنا سکتے اور خوبی و خوش اسلوبی سے بسر کر سکتے ہیں۔ اس کتاب میں مضامینِ قرآنی پر ایسی خوبی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ بچے اسلامی اخلاق کی خوبیوں کے قائل ہو کر دلی شوق سے اس پر عمل پیرا ہونگے۔ اور اس سلیس و شگفتہ تفسیر سے سبق سیکھ کر سچے مسلمان اور پاکستان کے قابلِ قدر شہری بن سکیں گے۔ قیمت صرف دو روپے۔

ملنے کا پتہ

دارالاشاعت پنجاب لاہور

(۷ ریلوے روڈ)

نورِ ور پرنٹنگ پریس۔ اردو بازار۔ لاہور

Taj Tahir Foundation